از نجما بیگم رہبار

سلسلۂ عصمت

قلبِ حزین

چند دلاویز ادبی مضامین

از

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

سے

رازق الخیری اڈیٹر عصمت و بنات نے

پہلی مرتبہ بصورت کتاب ماہ مئی سنہ ۱۹۲۸ء

محبوب المطابع دہلی میں چھپوا کر دفتر عصمت دہلی سے شائع کیا

قیمت ۔۔۔۔ ۸/

حضرت علامہ راشد الخیری کی نئی کتابیں

سیلابِ اشک

باتصویر طلاق، کا سفید بال، بے قصور بچی، پرستار محبت، ثریا کا تخیل، حج اکبر، وغیرہ میں دلاویز مجموعہ کے وہ بیمثل افسانے ہیں جو درد و اثر کے لحاظ سے خود علامہ محترم کے افسانوں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں جنہیں پڑھکر سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں، ہر افسانے کے ساتھ بمبئی کے مشہور مصور مسٹر مسیح سے ہاف ٹون بلاک کی اعلیٰ درجہ کی تصاویر تیار کرائی گئی ہیں اردو کے کسی نامور انشا پرداز کے مختصر افسانوں کا مجموعہ آجتک باتصویر شائع نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ آدھے سے زیادہ ایڈیشن ایک مہینہ میں ختم ہو گیا، اگر آپ اردو زبان کے بہترین افسانے دیکھنے چاہتی ہیں تو فوراً ایک جلد سیلاب اشک کی منگالیں قیمت عہ کاغذ وغیرہ عمدہ

نانی عشو

اس قدر دلچسپ اور پُرلطف قصہ ہے کہ سنجیدہ سے سنجیدہ شخص کے بھی ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں حضرت علامہ محترم [illegible] لکھنے میں تو تمام ایشیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے، نانی عشو پڑھکر ہر شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ مذاق لکھنے میں بھی حضرت معزز مصنف کمال رکھتے ہیں، نانی عشو کے ساتھ تین چار ایسے پُرلطف لیکن سبق آموز نتیجہ خیز افسانے اور ہیں کاغذ نہایت ویسا عمدہ قیمت ۱۰ کاغذ چھپائی وغیرہ نہایت نفیس

جوہرِ عصمت

مظلوم بیوی کا پاک جذبہ، بھنور کی دلہن، ناکام محبتیں، بیگناہ کا مکمل قتل، مسل جہانگیری، ہابیل کی شہادت، غلط فہمی وغیرہ علامہ محترم کے معرکۃ الآرا افسانے جن سے معلوم ہوگا کہ شریف عورت کیسی کیسی قربانیاں کرکے دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے قیمت عہ چوتھا ایڈیشن

رودادِ قفس

حقوق نسواں کی حمایت میں علامہ محترم کی درد انگیز نظمیں نہایت موثر، چوتھا ایڈیشن قیمت ۱۲

[illegible] جو دلچسپ سبق آموز نتیجہ خیز مضامین و افسانے ہر مسلمان کی نظر سے گذرنے چاہئیں قیمت ۱۱

ان کے علاوہ علامہ راشد الخیری کی تمام کتابیں منیجر عصمت سے منگائیے۔

قلب حزیں
از
مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

جب دودھ کے قطرے، ایک انسانی ہستی کے جسم سے نکل کر، میری کشتِ حیات کو سیراب کر رہے تھے، جب ایک آغوشِ نسوانی، کا، جذبۂ محبت، میری نشوو نما میں مصروف تھا، تو میں نے آسمان کی وہ قندیل دیکھی جو کائنات کو کچھ دیر جگمگا کر گل ہوگئی، میں نے زمین کا وہ پھول دیکھا جو ہوا کو رات بھر مہکا کر مرجھا گیا........

مگر تو اس وقت کہاں تھا؟

وقت آگیا، کہ وہ ہونٹ جن پر میری صورت دیکھ کر، مسکراہٹ کھلتی تھی، خاموش ہوں، اور وہ آنکھیں جن کی پنکھڑیاں، ہر لمحہ قربان ہوتی تھیں، اپنا منہ پھیرلیں، یہ وہ ساعت تھی، کہ نشۂ محبت کے مخمور، ہاتھوں نے مجھے زمین کی آغوش میں اتارا، میں نے یہاں اس درخشندہ آفتاب کو دیکھا، جس کو شام کے وقت چڑیوں نے اپنے نالوں سے وداع کیا، میں نے یہاں اس بلبل کو دیکھا جس کا زمزمہ ایک عالم کو مسخر کرتا ہوا ہوا میں فنا ہو گیا......

بتا؟ تو اس وقت کہاں تھا؟

منزلِ حیات کا تیسرا دور، عہدِ شباب تھا۔ زمین کی آنکھیں میرے قدموں پہ، موتی نثار رہی تھیں۔ اور کائنات کی ہر آغوش میری

طرف پھیلی ہوئی تھی .... تب، میں نے، وہ نازک،
اور روشن صورتیں دیکھیں جو اپنی بہارِ حسن دکھا کر جھریوں سے ہمکنار
ہوئیں، میں نے یہاں بجلی کی وہ چمک دیکھی، جو ایک لمحہ کے واسطے
دنیا کو منور کر کے کرہ آسمانی میں ختم ہو گئی ....

تو جب بھی مجھے نظر نہ آیا؟

مگر، آج، جب، آسمان کا روشن ذخیرہ، اور زمین کی بیش بہا
کائنات، میری آنکھوں سے اوجھل ہے بہت سی پیاری صورتیں
ہمیشہ ہمیشہ کو بچھڑ گئیں، اور وہ اعضا جن پر گھمنڈ تھا، دغا دے گئے تو میں نے
اپنی وہ اندھی آنکھیں دیکھیں، جو کبھی روشن تھیں، میں نے اسوقت اپنے
مفلوج ہاتھ دیکھے جن کی طاقت فائق تھی ....

تو اس وقت مجھے نظر آیا!!
مگر! کیا یہ صحیح ہے! کہ موت مجھ کو تجھ میں جذب کر دیگی؟

عصمت'' دسمبر ۲۳ء

وہ تمام اُمنگیں جن کا خوشنما چہرہ ، سنہری اُمیدوں کی ، خاموش لہروں سے آراستہ تھا ، اس مٹی کے ڈھیر میں دفن ہیں ، ، ،

جسدِ خاکی فنا ہو چکا ، مگر ــــــ محبت ، ، ، روح کے تاجِ شاہی کو ، جگمگا رہی ہے ۔

لازوال مسرتوں کے خزانے ، ، اس قبر میں موجود ہیں ! اور کائنات کا ہر ذرہ اس ازلی سلطنت کے زیرِ نگین ہے ! !

آنکھ ، حُسن کے اس مجسمہ سے دور ہو گئی ، ، مگر ، دل ــــــ ان قدموں پر ، قربان ہو رہا ہے ۔

فاختہ کی کوکو ، ہَوا میں جذب ہو ، آفتاب و ماہتاب کا سایہ ، لو یاں دے دے کر فنا ہو ، مگر ، محبت کے نورانی فرشتے سدا بہار پھول چڑھا رہے ہیں !

انسانی دنیا کا ہر لمحہ، زندگی، اور اس کی تمام کائنات، فانی ——— مگر

محبت کی دیوی، ازلی و ابدی، زیور سے، آراستہ فضاءِ حیات میں تیر رہی ہے ——— وہ ایک نور ہے، خاموش،، ایک دولت ہے، لازوال،، اور ایک حُسن ہے، دائمی،،،

محبت، حور ہے، فرشتہ ہے، خدا ہے،
موت تیری ہیئت تبدیل کر چکی، ہوا کے تیز جھونکے اس زمین کو تہ و بالا کر دیں، مگر،،
دنیا تیری پرستش کرے گی،، اس لئے کہ
محبت کا تاج تیرے سر پر ہے،

عصمت مارچ ۳۸ء

قلب حزیں ———————

جہاں پھول کھل کھل کر سرسبز شاخوں میں مرجھا جاتے تھے۔ جب دریا کی لہریں آپس میں پلٹ لپٹا کر فنا ہو جاتی تھیں اور آفتاب کا روشن چہرہ زرد پڑ جاتا تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب سیاہ چمکدار پروں والی بلبل سرو کی سب سے اونچی ایک تنہا ٹہنی پر بیٹھکر اپنا نالہ شروع کرتی تھی اور بساطِ فلک کی ننھی مخلوق چھوٹے چھوٹے تارے اپنے نوشتہ کے استقبال کو صف آرا ہو جاتے تھے ایک مغموم جھونپڑی سے جسکی شکستگی صنوبر کی بیلیں چھپائے ہوئے تھیں اور املی کے گھنے درخت سایہ کئے ہوئے تھے ایک خاموش لڑکی باہر نکلتی، کنارہ دریا پر بیٹھتی اور کچھ سوچتی اس کے ٹھنڈے سانس ہوا میں ملتے اور دو نازک ہونٹوں کی یہ سریلی صدا چمن میں گونجتی ؛۔

"آہ، کوئی نہیں"

جب رات کا دسترخوان چادرِ فلک سے اٹھ جاتا مشہور ستارے چاند کی وداع پر سینہ کوبی شروع کر دیتے آفتاب کی تمازت پردہ دنیا سے ناپید ہو جاتی۔ منہ بند کلیاں صبا کی گدگدیوں سے جھک جھک کر مسکراتیں، جہاں خوش رنگ پھول پتیوں کی گود میں جھولا جھولکر ہوا کو معطر کر لیتے، بالکل اسی لمحہ میں جب کوئل کی کوک گلشن کی آبادی کا کلیجہ توڑ دیتی

اور ہوا کے جھونکے صبح کا پیام لاتے وہی انسانی ہستی اٹھ کھڑی ہوتی خاموش،
نظریں چاروں طرف جاتیں، مایوس قدم آگے بڑھتے اور نازک ہاتھ ایک
گلاب کے پھول کو چھوتے ہوئے رک جاتے اب ہونٹوں کی بجائے
ایک منہ بند لمبا سا سانس ایک بیل کے کان میں اتنا کہتا۔

"ہاں! اب بھی نہیں"

جب بزم انجم کے تمام مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو جاتے
اور شمع فلک کی روشنی پھیکی پڑ جاتی آسمانی کائنات کا ہر ذرہ دھیما ہو جاتا
وہ رونق اور چہل پہل سب ختم ہو جاتی اور اس روشن مجلس پر اداسی کی
نقاب پڑ جاتی اور ایک سناٹے کا عالم طاری ہو کر پو پھٹنے لگتی۔ جہاں
باغبان کی مشقت کلیوں کو پھول بناتی اور خوش رنگ پتیاں کرہ ہوا
میں تیرتیں، مگر اس دم جب تیتریوں کے رنگین پر اپنی خاموشی توڑ دیتے
اور چمکیلے بھونروں کی بھنبھناہٹ پھولوں کے حسن کا کلمہ پڑھتی اور
بزم گل اپنے مداحوں کی نغمہ سرائی سے پٹ جاتی وہی انسانی
آنکھیں دل کے کان میں کچھ کہتیں اور اب خاموش رخسار و نپر
صرف دو قطرہ موتی کی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دیتے اور فنا
ہونے سے پہلے کہہ جاتے۔

"یوں ہی سہی"

چکور کا اضطراب سب بے سود، بلبل کا نالہ بیکار، قمری کی کو کو
ذلیل، چاند اس کے سامنے پھول اس کے پاس سرو اس کے

ساتھ مگر

کیا ہے

آہ کس سے کہوں؟ کیا کہوں؟ میرے جنگل کے رفیق، میرے صحرائی مونس، میرے چمنستانی پھول، دریائی لہریں۔ اور آبشار کی بیلیں میرے دل کا آئینہ ہیں۔ میری بیگناہی کی شاہد مگر........

کون پوچھے، اور کیوں پوچھے؟

سعید نہیں آیا، ہیں ختم ہو گئی اس کے تین دن ختم نہ ہوئے، آہ تین دن نہیں تین مہینے! راتیں آنکھوں میں کٹیں اور دن انتظار میں بیٹے کہاں دیکھوں کیونکر دیکھوں، کدھر دیکھوں، کس طرح دیکھوں، شوہر ہے، مالک ہے..............

متمول ہے، حسین ہے، معزز ہے، مگر آہ، میں نے کہدیا تھا کہلوا دیا تھا، سنا دیا تھا، سنوا دیا تھا، غریب ہوں، بدصورت ہوں، حقیر ہوں، مجھے اقرار ہے کہ موجودہ دنیا میں میری نامعقول صورت کو، میرے سیاہ رنگ کو، میرے ماں باپ کے افلاس کو، ان کی عزت کو، ان کی حیثیت کو حق نہ تھا یقیناً نہ تھا کہ بزم حسیناں میں دولت والی دنیا میں عزت والی مجلس میں، لہذا روشن محفل میں، جگہ پائے، شریک ہو، داخل ہو۔

مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے، میں سعید کے قابل نہ تھی، مگر میں بے قصور ہوں، غلطی ماں باپ سے ہوئی، نتیجہ میں نے بھگتا، مگر مجھے

تو بتا دیا تھا، جتا دیا تھا، "کہ ہم کچھ نہیں"
دولت نہیں، عزت نہیں، صورت نہیں، اس نے مجھے دیکھا
میری حیثیت دیکھی، میری حالت دیکھی، پھر؟
"کچھ نہیں کہتی"

اس کے تیور، پہلے ہی بھتے ہیں، آہ، پہلا کیسا؟ وہی اول، وہی آخر، کہہ رہے تھے کہ اس کی آنکھیں کچھ اور ڈھونڈ رہی ہیں، سعید کو وہ ساعت، وہ لمحہ، وہ منظر یاد نہ رہا جب وہ رخصت ہو رہا تھا اور میں منت سے کہہ رہی تھی،

"تیس دن بہت ہوتے ہیں؟"

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے، جب، کائنات، روز روشن کی وداع کا نقارہ بجاتی ہے، جس وقت، پرند خاموش ہو جاتے ہیں اور آسمان جنازۂ آفتاب کیواسطے خونیں کفن تیار کرتا ہے، جہاں بار آور شاخوں کے پھل پھول گر گر کر فنا کا سبق سناتے ہیں، اسی زمیں پر خاک کا ایک ڈھیر قبر کی حیثیت میں دو منتظر آنکھوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ سرسبز پتے، خشک پتیاں، ہوا کے ساز ہیں، اس مظلوم لڑکی کا مرثیہ پڑھتے ہیں، اور ڈوبتا ہوا آفتاب ایک بے وفا شوہر کے مظالم کی داستان، دنیا کو سناتا ہوا ختم ہو جاتا ہے۔

"بے گناہ، مگر، نا عاقبت اندیش، ماں باپ کے آنسو، خاک کے ڈھیر پر دن رات گرے، مگر آہ، محبت کے دو پھول جو کسی بیگ خود غرض ہاتھ اس قبر پر چڑھاتے کبھی نہ دیکھے گئے"

صبح صادق کے وقت، جب بلبل شاخ گل پر بیٹھی قربان ہو رہی تھی دفعتہ خاموش ہو ئی، لڑکی کی قبر کو بوسہ دیا اور یہ کہکر اڑ گئی۔

عصمت نومبر ۲۲ء

اے نیند کی متوالی!

اے نیند کی متوالی! آنکھیں کھول ہوشیار ہو، اٹھ اور اوپر دیکھ، نیلگوں آسمان نے رنگ بدلا اودی اودی گھٹائیں جھوم جھوم کر اٹھیں کالے سیاہ بادل چاروں طرف سے گھرے اور صاف شفاف آسمان آناً فاناً کالا بھجنگ ہو گیا۔

کیوں نیند کی متوالی! کچھ دیکھا، کھڑی ہو، آسمان کو دیکھ اس تغیر کو پڑھ، دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا، جلد بہت جلد، تیری زندگی کے آسمان پر بھی یہ انقلاب ہوگا مگر دعا ہے کہ وہ خوشی کے بادل ہوں اور فرحت انبساط کی جھڑیاں تیرے دل کو سیراب کریں۔ نومبر ۲۲ء

کیا بیگموں کے یہی کام ہیں

جب آفتاب کا چہرہ قوت کی وحشت سے زرد پڑ جاتا، پر وہ دنیا پر ایک قسم کا سناٹا چھانا شروع ہوتا۔ دھوپ پھیکی ہو جاتی، درختوں کی سرسراہٹ میں تیزی اور ہوا کے جھونکوں میں خنکی پیدا ہو جاتی، روز روشن وداع کی اور پرند بسیرے کی تیاریاں کرتے — اس وقت ایک پھٹے پرانے کپڑوں والی عورت ایک میلی کچیلی دری پر ایک تنگ دھڑنگ کالے کلوٹے بچہ کو، چمکارتی — بچہ ہمکتا، کلبلاتا، بسورتا، اور روتا، "چمکا کر، خاموش کر، منع کر"

یہ مشفقہ آوازیں اس کی حسرتوں کا خون کر دیتیں، مگر وہ برداشت کرتی، ہنستی اور تعمیل کرتی، کیوں؟ اس لئے کہ وہ کمزور ہے — تھوڑی دیر کی خوشی کے بعد اس کی مامتا پھر جوش کرتی، وہ آہستہ سے اور بہت خاموشی سے اس کا منہ دودھ سے چھڑا دیتی اور ادھر اُدھر دیکھ کر کہ کھڑ کو کی خفا نہ ہو، کسی کو تکلیف نہ ہو، اس جذبہ سے مجبور ہو کر جس کی لہریں دل میں جوش مار رہی ہیں، اس کو دیکھتی اور گردن کا ایک خاموش اشارہ کر کے منہ ہٹا لیتی، بچہ مسکرا دیتا

وہ ہنس دیتی اور پھر دودھ منہ میں دیدیتی،،
یہ کیوں ہے ؟ اس واسطے کہ طاقتور حق رکھتا ہے
کہ کمزور پر حکومت کرے، اس کو اختیار ہے کہ اپنے
عیش میں، اپنی خواہش میں اپنی ضرورت میں کوئی
ہرج واقع نہ ہونے دے،
ایک مہین آواز سے وہی کالا کلوٹا بچہ
"کیا کر رہی ہے سنتی نہیں جا جا دور لیجا"
چاندی کے چند سکّوں کے بدلے یہ غریب عورت
کیا کچھ فروخت کر چکی ہے ہاتھ پاؤں ہی نہیں نہیں۔ آزادی +
اس کا فرض ہے کہ ان مالکوں کو کسی قسم کی تکلیف
نہ ہونے دے اور اس کوشش میں اپنی راحت اپنا سکھ اپنی
تندرستی بھوک حد یہ ہے کہ اپنی مامتا تک قربان کر دے۔

"کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ باتیں ہو رہی ہیں کہ اس کو سلاؤ ہے
سنتی نہیں"
"اچھا بیگم ابھی سلاتی ہوں"
ایک نیلے رنگ کی کثیف چادر کی گرہ کھول کر اس

وقت جب نیم کی سبز پتیاں سر پر جھوم رہی تھیں، اس وقت
جب اس نیم کے سب سے اوپر کی شاخ میں فاختہ اپنے

انڈ و ں کو سینہ سے لگائے اطمینان سے بیٹھی تھی —— عورت نے افیم کی پڑیا نکالی،

بچہ پھر رو دیا . . . .

"ارے کیا بےغیرت عورت ہے مرد و ں کا بھی تو لحاظ نہیں! سلا دے اسکو"

"ہاں ہاں بیگم صاحب ابھی" . . . .

ہنستے ہوئے بچہ کو، اس لئے کہ سو جائے، تھوڑی سی، افیم دی اور کندھے سے چمٹا کر اس وقت تک تھپکتی رہی جب تک بچہ کی ہنسی خاموش، اور کلکاریاں ختم نہ ہو گئیں :

کیا وہ بچہ اسی کا مستحق تھا کہ انسانی دنیا محض اپنے آرام کی خاطر اس کی معصوم امنگوں کا خاتمہ کر دے ؟ کیا اس عورت کو بھی جس نے افیم دی۔

بچے کے ہنسنے سے ایسی ہی تکلیف ہو رہی تھی . . . . . .

نہیں نہیں اس بچہ کی ہنسی وہ صوت مختلف آنکھوں میں مختلف شکلیں اختیار کر رہی تھیں —— وہ بیگم کو مکروہ تھا، مگر عورت کو محبوب، اس کی آواز اُدھر ناگوار تھی۔ اِدھر خوشگوار، لیکن معاملہ تھا طاقتور اور کمزور کا، بیگم اور ماما کا، دولتمند اور مفلس کا"

رات کو جب بیگم کی مسہری پر زرق برق لباسوں میں

چاروں طرف کرسیوں پر سہیلیاں بیٹھی ہوئی تھیں، پیانو بج رہا تھا اور بیگم حالت وجد میں گردن ہلا رہی تھی، کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ بچہ کے رونے کی موسیقی اُس موسیقی سے جو سب کو محظوظ کر رہی ہے عورت کے واسطے بہت زیادہ پر لطف تھی

بچہ سو گیا۔ عورت نے ایک چھوٹی سی دری پر لٹا دیا۔ بیگم کو اطمینان ہوا، مگر ایک معصوم روح کو دولت کے زعم میں فنا کر دینے والی عورت، کیا واقعی بیگم کہے جانے کی مستحق ہے۔

۱۹۲۱ء

بہارِ شب کا خاتمہ

گرمی کے دنوں میں جب کائنات نے رات کا خاموش لباس پہن لیا تو پہاڑ کی بلند چوٹی سے چاند نے جھانکنا شروع کیا، چاندی کے ورق ہر طرف بچھے ہوئے تھے، ہوا ادھر اُدھر اُچھلتی پھرتی تھی۔ مگر بلبل کی خاموشی اور وداعِ آفتاب نے فضائے عالم میں ایک سناٹا پیدا کر دیا تھا۔ آبشار کی سنہری بانسری جو چمن سے دور بج رہی تھی کبھی کبھی اپنی میٹھی تانوں سے درختوں کو چونکا دیتی تھی۔ اور پھر دنیا سنسان ہو جاتی تھی، رات قدرت کے چمکدار آبِ رواں میں غسل کر رہی تھی یاسمین و گلاب پھریریاں لے لے کر پانی کے قطرے موتیوں کی صورت میں کائنات دہر پر نثار کر رہے تھے میں قریب کے چمن میں اس مقام پر پہونچی جہاں پھول سوتے تھے۔ ہوا گُن گُنا گُنگنا کر لوریاں دے رہی تھی، اور یہ گلہائے رنگیں چوتھی کی دلہن کے مانند جوانی کی نیند میں سرشار آغوشِ شب میں بےخبر پڑے سوتے تھے،

جب بزمِ انجم کا نوشتہ مضمحل ہوا، اور پہلی آنکھوں میں نیند کے ڈورے نمودار ہوگئے تو آفتاب اُس کے استقبال کو آگے بڑھا اور خرامِ فلک کے ہاتھوں خود الگ تک پہونچا دیا۔

صبا بے خبر پھولوں کو گدگدانے لگی، نالہ بلبل نے اُن کو چونکایا شبنم نے ان کے ہاتھ منہ دھلائے۔

صبح صادق کی نورانی ساعت تھی آسمان کے دسترخوان پر ابھی طعام شب کے بچے کھچے ٹکڑے ٹکڑے موجود تھے۔ مگر کافوری شمعیں رات بھر ساتھ دیکر پھیکی پڑ چکی تھیں، کہ سوز چنے بلبل نے، فاختہ نے وہ آسمان درہم برہم کر دیا۔

میں پھولوں کی نیند کا مطالعہ کر رہی تھی اور دیکھتی تھی کہ ان بچوں کی طرح جو آغوش مادر میں لیٹے پڑے ہوں بے ہوش پڑے تھے، صبح اُن کو جگا رہی تھی اور وہ کروٹیں بدل بدل کر بدستور سو جاتے تھے،

میں نے مصمم قصد کیا کہ پھولوں کی نیند پر اپنی نیند قربان کرونگی۔ ابھی آفتاب کی شعاعیں پوری طرح نمودار نہ ہوئی تھیں کہ آہ بہار شب کا خاتمہ ہوا صیاد کا پنگل آگے بڑھا اور ان پھولوں کو یہ کہہ کر فنا کر دیا

"بس یہ بہار اتنی ہی تھی"

نومبر ۲۳ء
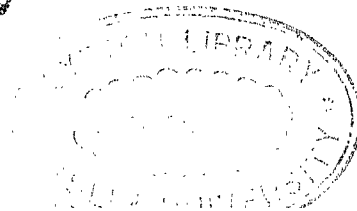
ایک ایسے خاموش اور سنسان میدان میں جسکے نشیب و فراز کا ہر ذرہ اور موسم خزاں سے قبل سوکھی ہوئی گھاس کا ہر پتہ اپنی بہار ختم کر چکا تھا،

۲۰ مارچ کے آفتاب نے فلک نیلگوں کی سیاہ مسہری میں جانے کی تیاریاں کیں رات کا اندھیرا سیاہ بادلوں کی طرح میدان کے گوشہ گوشہ پر قبضہ کر رہا تھا، کہ چاند کے مستقل داخلے نے یہ عارضی انتظام درہم برہم کیا، قبروں کے مختلف کتبے اجسام فانی کی دوامی ابدی پر حسرت کے آنسو گرا رہے تھے، رات اس وقت خاموش تھی درختوں کی ٹہنیاں خشک ہو چکی تہیں اور باوجود اسکے کہ میدان بڑے بڑے بہادروں، بے مثل ادیبوں، یکتا حسینوں اور خوبصورت بچوں کو گود میں لئے تھا، وہ سنگ خاموشی تھی

یہ کیسے تعجب کا مقام تھا، جہاں بڑے بڑے دعوے خاک میں مل رہے تھے، چھوٹا ولیم اپنی قبر پر بیٹھا ماں کی طرف ہمک رہا تھا —— خوبصورت ایلینا جس کی نظروں کے تیر دلوں کے پار ہوتے تھے شوہر کو چیخ چیخ کر

پکار رہی تھی، ——— مشہور جوزفین کا گلا بیوی کو آوازیں دیتے دیتے بیٹھ چکا تھا،

مگر جو آدن رات ہونٹھ چوم کر سیر نہ ہوتی تھی ——— جو شوہر اطمینان کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا تا تھا ——— وہ بیوی جو جوزفین کے ساتھ سایہ کی طرح پھرتی تھی،

انسانی دنیا کے راحت و آرام میں مصروف تھے اور ان دلوں میں جو کسی وقت ان مہمانوں کی محبت سے لبریز تھے۔ آج کبھی بھول کر بھی ان کے خیال کا گذر نہ ہوتا تھا،

ایک سفید قبر پر جو نافرمان کی بیلوں سے چھپی ہوئی تھی اور صنوبر کے درخت چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے تھے، آدھی رات کے وقت گلاب کی ایک کلی پھول بنی، یہ پھول اس مہ جبین کا عکس تھا جو اس خانقاہ کے اندر ہمیشہ کی نیند سو رہی تھی،

کتبہ بآواز بلند پکار رہا تھا، چادر مہتاب اس کی تائید کر رہی تھی، کہ یہ لارڈ ہوگ کی وہ حسین بیگم ہے جس کا حسن پندرھویں صدی میں یکتا تھا ——— آج اس کا پہچاننے والا کوئی نہ تھا۔

بیمثل حسن پرواز روح کے ساتھ ختم ہوا، مگر اسکی قابل قدر تصنیف جو بچہ بچہ کی زبان پر موجود ہے ابھی زندہ ہے اور ہمیشہ اس کا نام زندہ رکھے گی، (ملخص)

ایپریل کی ایک اس شام کو، جب انیسویں صدی کی مخلوق، کشاکشِ ہستی میں منہمک تھی، آسمان، زمین والوں کی کج فہمی پرہنس رہا تھا ایک ایسی شام کو جب ہوا کسی چمن کے، خاموش گوشہ میں، کلیوں کا منہ کھول رہی تھی، ایک ننھی سی روح، اضطراب آمیز استقلال، نفرت آمیز انفعال، سے کوشش کر رہی تھی کہ، آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں، جا ملے، رخصت ہوجائے پیوست ہو جائے۔

ایک ننھا سا بچہ ایک ماں کی گود میں تھا، اور ایک آنکھ جس میں آنسوؤں کا قطرہ تک نہیں، مگر ماں کا دریا لہریں لے رہا تھا، حسرت و یاس سے بھری ایک معصوم چہرہ پر، ایک ایسی صورت پر، جس نے دو سال خونِ جگر پیا، جو چھ سال سینہ پر لوٹتی، پڑ رہی تھی، موت کا فرشتہ، ایک نورانی نقاب لئے ان دو زندہ روحوں کے پاس کھڑا تھا، اور منتظر تھا اس وقت کا جب ایک آخری سسکی، اس پھول کو مرجھا دے، اور قدرت کا

ایک آبدار نشتر اس قابل رحم عورت، کی تمام، امیدوں کا خاتمہ، ارمانوں کا تکملہ، اور خواہشوں کا انجام دکھا دے،
کمرہ کے درودیوار، اس ننھے سے مہمان کو حسرت سے تک رہے تھے، اور چار برس کا رفیق کتا، اپنے پیارے مالک کے سرہانے خاموش بیٹھا تھا،

صحن کی زمین آج سے ہفتہ بھر پہلے اسی وقت، الوداع کہہ چکی تھی، جب ننھے ننھے پاؤں، آخری مرتبہ، اس کی گود میں پہونچے مگر کمرے کے درودیوار اس سکون مطلق میں، جو اس وقت چاروں طرف طاری تھا، اپنے ہمدم کی مفارقت ابدی پر، آنسوؤں کے پھول چڑھا رہے تھے۔

عورت، جس کے پہلو میں ایک زخمی دل چٹکیاں لے رہا تھا، جو اسی قسم کے ایک داغ سے پہلے ہی آشنا ہو چکی تھی، گھور رہی تھی۔ اُن آنکھوں کو جن سے محبت کی شعاعیں نکلتی نہیں۔ تک رہی تھیں۔ ان ہونٹوں کو، جن سے پھول جھڑتے تھے، اور دیکھ رہی تھی، ان ہاتھوں کو جو گلے میں پڑکر، عالم حیات کی تمام تکالیف کو زائل کردیتے تھے اور دل ایک ایسی خوشی محسوس کرتا تھا، جو بے لوث تھی اور جس کے آس پاس الام کی جھلک تک نہ تھی، اعضاء جسمانی اپنا کام کر رہے تھے، مگر قلب و دماغ، اس قوت کو جو رنج و

راحت پہونچا سکے، بھول چکے تھے، عورت ایک تصویر تھی ساکت، ایک انسان تھی خاموش، ایک شکار تھی زخمی،

قریب، آپہونچا، آخر وہ وقت، جب وہی جسد خاکی جو طرح طرح کے اندازوں سے دل موہتا تھا، ان ہی آنکھوں کے سامنے جو دیکھ دیکھکر نہال ہوتی تھیں، تڑپ تڑپ کر، روح سے جدا ہو، وہ پھول جو ہر لمحہ دل و دماغ تازہ کرتا تھا، مرجھا جائے وہ چاند، جس کی روشنی بہت سے دلوں کو روشن کرتی تھی گہنا جائے، وہ بچہ جس کے قدموں پہ، ماں باپ آنکھیں بچھاتے تھے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سو جائے۔

نبض ساقط ہو چکی تھی، مگر گلشن امید، لہلہا رہا تھا، محبت انتہائے محبت، الفت، الفت بدرجہ غایت، فریفتگی، عشق، نہیں ممتا نے، ہوش، حواس زائل کر دیے تھے، ایک یقین تھا، ایک تسکین تھی، ایک خیال تھا، ایک امید تھی، کہ ایک زبردست قوت اس انقلاب میں، کام کر رہی ہے، اور اگر وہ رحم کرے، وہ سن لے، وہ سمجھ لے، وہ محسوس کر سکے اور کرے تو یہ سبزۂ زندگی، یہ لازوال دولت کی ڈھیری تغیر سے محفوظ، بدستور کھیلتی مالتی ہنستی پھرتی، بولتی، چالتی کلیجہ سے لگی رہے۔

دل بہت سے تھے، تمنی تھے، دعا گو تھے، مگر ایک تنہا، ایک

عورت کا دل تھا، اسی کا، اسی عورت کا، جو اپنے یقین کے موافق اس طاقت سے، جو خدا کے نام سے تعبیر ہوتی تھی التجا کرتا تھا، روتا تھا، سر جھکاتا تھا، کیسا دل تھا، سچا تھا، صاف تھا، مسلمان کا دل تھا،

بالآخر درم واپسیں نے، تمام تعلقات منقطع کردے، امیدیں اور دعائیں، ختم ہوگئیں، ایک گوشت کا لوتھڑا، بیجان رہ گیا، کچھ ہڈیاں تھیں، کچھ بال تھے، کچھ کھال تھی،

فضائے عالم میں، بچھڑنے والی پاک روحوں تم ہمکو فراموش کرگئیں مگر، ہمارے دل، تمہاری یاد سے غافل نہیں، تمہارا عارضی قیام مدتوں خون رلوائیگا تم ظاہری آنکھوں سے بچھڑ گئے، لیکن حافظہ، تم کو نہیں بھولتا، کھلنے سے پہلے مرجھا جانے والی کلیوں! تمہاری خوشبو آجتک دماغ میں بسی ہوئی ہے، آنکھیں تمہاری خاک سر پر رکھ رہی ہیں کہاں ہو کلیجہ کے ٹکڑوں، چاند سی صورت دکھادو، برکت والے بندوں دل کی راحت لے گئے، اور وہ داغ چھوڑا کہ دل و دماغ بیکار ہوگئے زندگی میں موت کا مزہ چکھا دینے والے پیاروں، کان تمہاری باتوں کو ترس گئے، چاروں طرف خاک چھان لی، مگر تمہارا پتہ نہیں چلتا کیسی پرلطف تھی تمہاری

شب حیات، اب وہ رات میسر نہیں ہوتی اور کسقدر ظالم تھی، وہ صبح جس نے تمہاری بزم وصال درہم برہم کردی، مبارک تھے تم کہ تمہاری خاک تک عزیز ہوئی اور آج تمہارے فانی اجسام کا مسکن، ہمارا سجدہ گاہ ہے، تمہاری صورتیں آنکھ سے اوجھل ہوچکیں، مگر تمہارے ہاتھ کی جلائی ہوئی شمع روشن ہے اور اس کی لو کلیجہ میں لگ رہی ہے،

آسمانی دولت کے، مالکوں، اسی فانی دنیا سے جہاں رنگ برنگ کے پکھیرو اپنی اپنی بولیاں بول رہے ہیں، بعض، جگر خراش صدائیں بھی آرہی ہیں اور ایک جم غفیر، خواہشِ نفسانی کی زنجیروں میں جکڑا باآواز بلند، تلقین، کر رہا ہے کہ، ہم تمہارا خیال تک دل سے بھلا دیں، اور جو لال، منور گھروں کو، اندھیرا گھپ کر گئے اُن کا دھیان تک نہ آئے، مگر انصاف کی آنکھیں، ان کا مضحکہ اڑا رہی ہیں، اور دل، یہ صدا دے رہا ہے

کلیجہ کے ٹکڑوں، گو تجربہ نے تمہاری امید مواصلت منقطع کردی، تمہارا قیام چڑیا رین بسیرا تھا، تم ہم کو چھوڑ کر اچھی جگہ پہونچ گئے تمہاری بھولی بھالی صورتیں

ہماری آنکھوں سے چھپ گئیں، اب تم کہاں اور ہم کہاں دل کی بستی سو گئی اور اب اس کی آبادی اللہ ہی اللہ ہے مگر، دل تمہاری محبت کے دم بھر رہے ہیں اور مفارقت کے وہ پھول جو تم اپنے نازک ہاتھوں سے ہمارے کلیجوں پر رکھ گئے تا دمِ حیات شاداب رہیں گے،

عالمِ خیال کے شہزادوں، قریب آؤ تمہارے رخِ نازک کو بوسہ دوں، دلِ مجروح کا یہ تحفہ قبول کرو، اور یقین کرو کہ تمہاری یادگار یہ داغِ فراق، مرتے دم تک ترو تازہ رہے گا،

مئی ۱۹۳۳ء

دنیا کی بڑی جنت

میں نے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر کائنات کا مطالعہ کیا، میری نظر آبادی میں پہنچی، میں نے دنیا کے گوناگوں رنگ دیکھے، کہیں جنازے قبرستان جا رہے تھے کسی جگہ برائیں ہشاش بشاش نکل رہی تھیں، میں نے عالیشان محل دیکھے، رنج دیکھا اضطراب دیکھا، یہانتک کہ وہ پوشیدہ گھر دیکھا جہاں دو میاں بیوی اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے،

یہ دنیا کی بڑی جنت تھی!!

عالمِ خیال

رات کے اس حصہ میں جب فارغ دن بھر کے افکار سے اکتا کر سکون کی طرف راغب ہوتا ہے قدرت اپنے ہاتھ سے لوریاں دیتی ہے کبھی کبھی تخیل وہ صورتیں سامنے لا بٹھاتا ہے جنکو آنکھ سے چھپے مدتیں ہو گئیں تعلقات ہمیشہ کیواسطے بعد اچکے اور دنیائے حیات نے جنکو بخیر وخوبی رخصت کر دیا دل ان پر روتے روتے تھک چکا نگاہ ان کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ہار گئی اور اب ان کا سراغ صرف اتنا چل رہا ہے کہ کافی روح قفسِ عنصری سے اڑ گئی اور جسدِ خاکی ایک مٹی کے ڈھیر میں دبا پڑا ہے جو ہو گیا یا اب خاک ہونے والا ہے۔

رات کے اس حصہ میں جب نیند آنکھوں میں بھری ہوتی ہے، یہ بچھڑی ہوئی صورتیں جو وقت سے پہلے اٹھ گئیں یہ نازک پھول جو کھلنے سے پہلے مرجھا گئے عالم خیال میں گلے سے لپٹتے ہیں، روتے ہیں رلاتے ہیں ہنستے ہیں ہنساتے ہیں۔ ترسی ہوئی نظریں محبت میں ڈوبی ان کے استقبال کو اٹھتی ہیں ہیں اور آنکھوں میں لاکر بٹھا دیتی ہیں۔

اب انکی باتیں۔ ان کی زندہ راتیں ان کے سن بہار سے بھرے دن جنکو عالم حیات الوداع کر چکا۔ خیالستان کی نازک سرزمین میں سامنے لاتے ہیں اور کچھ دیر تک ہی اگلے پچھلے جلسے اپنا رنگ جما دیتے ہیں۔

رات کے اسی حصہ میں جب عمر بھر کی حسرتوں کا خون۔ اپنی تصویر دکھاتا ہے۔ اور وہ ہری بھری کونپلیں۔ جو لہلہاتے لہلہاتے مرجھا گئیں اجڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو یہ خیال ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھاتا دماغ کی ان حدود میں پہونچتا ہے جہاں یہ بچھڑے دوست جمع ہوتے ہیں جلسہ شروع ہوجاتا ہے۔ مقدس عمامے، سیلہ چادریں رنگین دوپٹے۔ بھولے بھالے چہرے۔ موجود ہوتے ہیں۔ چاند سر پر ہوتا ہے تارے جگمگاتے ہیں۔ دلِ مجروح اہل مجلس کے پاؤں چومتا اور انکے قدم سر آنکھوں پر رکھتا ہے۔

رات کا وہی حصہ ہے۔ اور وہی محبت۔ اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ جمع ہیں۔ دل جن کے ملنے سے نا امید۔ اور آنکھیں جن کے دیکھنے سے مایوس ہو چکی تھیں۔ ہاتھ جن کو ناپید کر چکے تھے عالم خیال آج ان کو پیدا کر رہا تھا آؤ آؤ۔ دل پر حکومت کرنے والی تصویروں آؤ۔ آنکھیں تمہارے واسطے فرش راہ ہونگی۔ اور دل تمکو پہلو میں جگہ دے گا۔ تمہاری مفارقت کا ہر حرف دیکھنے والوں کو سبق دے گا۔ ہم نے تمکو بھلا دیا۔ آنے والے ہم کو بھلائینگے تمہاری صحبت کوئی دم میں درہم برہم ہوتی ہے

رات کا وہی حصہ ہے مگر اب تخیل تمہارا ساتھ چھوڑنے لگا قدرتی لوریاں اپنا کام کرنے لگیں۔ نیند کا جادو چل گیا۔ اٹھو۔ اٹھو۔ تمہاری تصویریں دھندلی ہوگئیں۔ خدا حافظ۔

۱۳۰۶

بچھڑے ہوؤں کی یاد

رات کے، اس سنسان وقت میں جب دنیا بےخبر نیند کے مزے لیتی ہے۔ پرند اپنے اپنے آشیانوں میں دبکے سکڑے پڑے ہوتے ہیں چہل پہل والے گھر سنسان اور چیخم دھاڑ والے مکان گم سم ہو جاتے ہیں، دل وحشی ان صورتوں کی یاد میں گھنٹوں تڑپتا ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے آنکھ سے ایسی اوجھل ہوئیں کہ اب ان کی نظر آنے کی کوئی امید نہیں۔

وہ ماں جس کی گود میں سچی محبت کے دریا لہریں لے رہے تھے، جس نے روٹھوں کو منایا، بگڑے کو بنایا، منت سے کھلایا، خوشامد سے پلایا! آج کہاں ہے۔ مٹی کا ایک ڈھیر اتنا پتہ دے رہا ہے کہ اولاد کی عاشق زار، سچی غمگسار مرنے والی بیوی کی ہڈیاں اسی جگہ دفن ہیں

پھول سے لال جو ہمک ہمک کر کلیجوں سے چمٹے، باتیں ملا کر دل موہے، گلے سے لگ لگ کر آنکھیں ٹھنڈی کیں! اس وقت کدھر گئے؟ باجو ہاتھ ان کو تھپک تھپک کر سلاتے تھے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ کلیجے کے ٹکڑے ان ہی ہاتھوں سے پیوند زمین ہوئے اور اس اندھیرے گھپ اور جنگل بیابان میں جہاں آدمی نہ آدم زاد، تن تنہا پڑے آرام کر رہے ہیں۔

اے ناپائیدار دنیا کیسے دوست جن کے خیال سے

کلیجہ منہ کو آتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کو جدا کر دے

رات چاندنی اور اندھیری سر پر ہوتی ہے تارے چمکتے اور دمکتے آنکھ کے سامنے اور بچھڑی ہوئی صورتیں پیش نظر ہوتی ہیں، بہت سے وہ جنہوں نے ابھی دنیا کا کچھ نہ دیکھا تھا جوانی کا بادل امنڈ گھمنڈ کر آیا تھا، کہ موت کے ظالم ہاتھ نے آناً فاناً خاک میں ملا دیا اب ان کی یادگار ایک کمسن بیوہ اور دو معصوم بچے رہ گئے بہت سی بھولی بھالی لڑکیاں جو بہار دنیا میں بڑے نام داخل ہوئی تھیں جنازہ ان کے پیچھے سے ہمیشہ کو اجڑ گئیں چند اٹھتی ہوئی کونپلیں ایسی مرجھائیں کہ انکی پتیوں تک کا نشان باقی نہ رہا۔

ایک رات جبکہ نیند کا غلبہ زور شور سے ہو رہا تھا۔ دنیا کے بے ثبات کے کاروبار سے فراغت پا کر بیٹھا تھا کہ بچھڑے ہوؤں کی یاد خیالات کی رو کہیں سے کہیں بہا لے گئی، دل ان پیاروں کی یاد میں تڑپا، آنکھیں ان پر خون رو ئیں۔ چادر مہتاب چاروں طرف بچھی ہوئی تھی، اور ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے تھے رات چاندنی تھی۔ اور آسمان پر لطف دلگیر بچھڑی ہوئی صحبتیں اور بچھڑے ہوئے دوست جو طائران خوش الحان کی طرح اپنی اپنی راگنیاں سنا کر پھر پھر اڑ گئے کلیجے پر مار رہے تھے اور دل ان کو یاد کرتا ہوا اس طرح نوحہ خوانی کر رہا تھا،

وہ اے جانیوالو! کیسی محفل تمہارے بغیر اجاڑ اور

بسی بسائی بستی تمہاری جدائی سے سنسان ہو گئی''

دفعتہً نگاہ آسمان پر پہونچی ایک چمکتا دمکتا تارہ ٹوٹا اور فضائے عالم میں یہ کہتا ہوا غایب ہو گیا۔

دنیا والو! نظام عالم کا ہر ذرہ تمہارے واسطے ایک سبق ہے۔

سنہ ۱۲ء

شوہر کی قبر پر

میں خاموش تھی، مگر میرا دل، دھڑک رہا تھا، میں ساکت تھی
مگر میری آنکھیں مچل رہی تھیں، اس طرح کہ آنسوؤں کے، لاتعداد،
و بے شمار، قطروں کا مخفی خزانہ، ان میں پوشیدہ تھا،

میں کہاں تھی؟ وہاں! جہاں، میرا شوہر، نہیں میرا آقا، نہیں،
میرا مالک، نہیں نہیں، ہرگز نہیں —— میرا، محبوب، سلیم، سطح
زمین سے گز دو گز نیچے، آرام کر رہا تھا،

میں نے املی کی پتیوں کو، اس لئے کہ وہ سلیم کے سینہ کو،
بوسہ دے رہی تھیں —— وہ سلیم کے تعویز، میں بے خبر
پڑی سوتی تھیں، اپنی انگلیوں سے جگایا۔ ان کو ہشیار کیا،
اور، اپنی آنکھوں پر رکھا ——

میں اکیلی نہ تھی میرے ساتھ وہ تھے جو مجھے لخت جگر کہتے
تھے، مگر کیا، ماں اور، باپ، اس درد سے، آشنا تھے، اس
لطف سے باخبر تھے، جسے، میرے دل میں آگ لگا کر، میری
آنکھوں میں سرور پیدا کیا —— ان کی محبت ایک مصیبت
تھی، میرا دل تڑپ رہا تھا قربان ہونے کو، فدا ہو جانے کو،
اس قبر پر —— اس مٹی کے ڈھیر پر —— جہاں، میرا محبوب

میرا سلیم ——— ابدی نیند سو رہا تھا، میں اس کے پاس بیٹھی — نکاح کی مسند پر، اس کے ساتھ کھیلی ——— کنار دریا پر — اس کے ساتھ جھولی ——— پھولوں کے تختہ میں، مگر آج جب، وہ میری، آنکھوں سے چھپ گیا، خاک ہو گیا، اور اس مٹی میں دفن ہے، دنیا، اتنی، اجازت نہیں دیتی کہ چند قطرے اسکی قبر پر چڑھاؤں، اور اس خاک کو بوسہ دوں، اور اس ڈھیر میں سما جاؤں ... ...

بس چلو ———

میں نے باپ کا یہ حکم اس وقت سنا، جب عالم تخیل میں پیارا سلیم گلاب کا پھول ہاتھ میں لئے میرے سامنے آیا وہ کیا کہتا سننے کی منتظر تھی، کہ یہ سنا، بس چلو، میں نے چنبیلی کے پھولوں سے، جو چھپا کر لائی تھی، اپنے آنسو پونچھے اور یہ دونوں پھول اس ڈھیر پر رکھدیئے، ہوا میرے سامنے چلی، اور ایک سنگدل جھونکے نے دونوں میری آنکھوں کے سامنے منتشر کر دیئے۔

دسمبر ۲۳ء

درختوں کی موسیقی فضائے آسمانی میں گونج رہی تھی اور ہوا کا نغمہ ہر سمت بلند ہو رہا تھا، تاریکی شب نے پرندوں کو خاموش کر دیا تھا اور نربدا کے کنارے سکون مطلق کو آغوش میں لئے خاموشی کے ساتھ جھوم رہے تھے، ہوا لہروں کو گدگدا رہی تھی لیکن رات کے سناٹے میں جنبش نہ ہوتی تھی۔

آبشار کی سریلی صداؤں نے نربدا کی خموشی توڑی اور چاند کی ہلکی شعاعوں نے رات کی سیاہ چادر چاک کر دی، مستان لہروں میں غلغلہ پیدا ہوا اور کشتی کی روشنی سطح آب پر بہتی ہوئی دکھائی دی۔

وہ چھوٹی سی کشتی کو اکیلی کھے رہی تھی، اس کا دل ایک خزانہ تھا، محبت کی لازوال دولت سے معمور، وہ حسن کی دیوی، وفا کا مجسمہ تھا، رات کے آخری حصہ نے کائنات کو محو خواب بنا کر اس حسینہ کو کشتی میں

ڈال دیا تھا ۔

کشتی کنارے پر تھم گئی، زبین نے اس کے قدم چومے، وہ آگے بڑھی اور اس قبر کو جس کا مکین نربدا کی خطرناک لہروں کا شکار ہوا تھا بوسہ دیا، اور چراغ جلاکر خاموش بیٹھ گئی ۔

کشتی نربدا کے پانی میں اور اس کے پاکیزہ جذبات فضاء قلب میں تیر رہے تھے۔ تاروں کی چھاؤں اسکے سر پر تھی، اور چاند، اس کی گود میں اٹکھیلیاں کرتا ہوا، خاموش ہو رہا تھا،

یہ اس کے شوہر کی قبر تھی

ان خاموش پہاڑوں کی طرح، جن کی طاقت، زمین کی حدّت فنا کر چکی ہو، اس کی سرمگیں آنکھوں سے، آنسوؤں کی مسلسل ندیاں رواں تھیں

موسیقی کا مجسمہ کامل اس کے سینہ میں تیر رہا تھا اور زندگی کی مغنیہ اپنی سنگین مضراب سے، جذباتِ قلب کو چھیڑ رہی تھی،

موسم گرما کی ٹھنڈی ہواؤں نے اس کی زلف سیاہ کو اپنے آغوش میں لیا اور شبِ ماہ اس کے حسنِ خداداد پر قربان ہونے لگی۔ اس کی ہستی آرزوؤں کا گہوارہ تھی —— ناکامیوں کے اثرات اس کے گرد و پیش، فضا مایوسی میں جھوم رہے تھے،

حسرتوں کا تلاطم بپا تھا۔ دھواں دھار گھٹائیں اس کے دل پر برس رہی تھیں اور قدرت کا ہر لطف اس کے واسطے درسِ ناکامی تھا —— درخت کی پتیاں اس کی بدقسمتی پر نوحہ خواں تھیں —— ہوا

کا لامتناہی سلسلہ نغمہ طیور سے معطر ہو کر اسکے زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا، وہ تنہا تھی لیکن ہجوم افکار اسکے مونس تھے، اور جذبات کا طومار اسکے رفیق۔

اس نے نظر بند کی، آسمان کا نیلا سمندر سامنے تھا تخیل نے متواتر غوطے کھائے۔ اس نے ہر سمت دیکھا، کھڑی ہوئی اور ٹہلنے لگی ——— کون کہہ سکتا تھا کہ ——— اس کی مظلوم نسوانیت، انسانی مرد مہری کی شکر گذار ہے۔

۱۹۳۴ء

ایک سنسان ساعت میں، جب چاند غور سے کائنات کے مطالعہ میں مصروف تھا، پانی کے پیٹ میں ہوا کی گدگدیوں سے ہنسی کے مارے بل پڑ رہے تھے، اور ان قہقہوں پر جو لہروں کی صورت میں فنا ہو رہے تھے مسکرانے والا دریا کا صرف ایک درخت تھا۔

رات بھیگ رہی تھی اور چاند کا روشن چہرہ شباب کی منزل مقصود تک پہونچ چکا تھا، مگر ہوا کی شوخیاں لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہی تھیں، پانی کی کمر اس کے ہچکولوں سے لچک رہی تھی، باغ لہک رہا تھا، تارے چمک رہے تھے کہ آبشار نے وجد میں آکر اپنا نغمہ شروع کیا، موسیقی کی مجسم تصویر چاروں طرف پھیل گئی اور آسمانی مخلوق نے اپنی خاموش نگاہیں اس مہجبین پر ڈالیں —— اس تماشہ کی دیکھنے والی صرف صنوبر کی سبز پتیاں تھیں۔

بزم قدرت کے چمکدار ہیرے، اپنے دیوتا پر قربانیاں چڑھا رہے تھے

یہاں تک کہ محبت کا ایک متوالا اچھوتا محبت میں چُور ہو کر چلا اور دو قدم چل کر پھر ٹکرا کر فنا ہو گیا، مجبور قدرت کی شمع لطف اب بھی آرضی تماشہ پر جمی رہی اور اس نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا کہ مسرور سازان بزم کس طرح اپنی ہستیاں وقف کر رہے ہیں سب سے پہلے چمکدار جگنو، اس شمع خاموش پر پروانہ وار قربان ہوئے، کائنات ارضی اس فرض سے بے خبر تھی، مگر آغوشِ صنوبر کا ایک آشیانہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا،

آستانۂ صنوبر کی بسنے والی روح یا مٹھی بھر پروں کا ذخیرہ دو صورتوں میں منقسم تھا، ماں سے تعبیر ہونے والی ایک ہستی، تولہ بھر گوشت کو پروں میں چھپائے بیٹھی تھی، اس کا کاسۂ حیات جذبات سے محروم نہ تھا، ایسا معلوم پڑتا تھا کہ احساسِ انسانی کی تمام شعاعیں اسی مخزن سے طلوع ہو رہی ہیں، فطرت نے پیام اجل نغمۂ دلکش کی صورت میں طوق گردن کیا، اور غروب آفتاب کے ساتھ بسیرے کے وقت جب دوسرے ہم جنس مصروف تکا تھے، رفیق حیات کو جدا کر دیا،

اندھیرے کی وسعت، ہر لمحے کے بعد پردۂ دنیا کے جذب کرنے میں ترقی پذیر تھی، مگر ایک خوشنما گردن کی دو بہت چھوٹی آنکھیں دراز پر کان لگائے بیٹھی تھی، احساس انسانی سے بہت دور، لباس انسانی سے متجاوز، اسکا اندازہ صنوبر کے پتے دور آشیانہ کے تنکے کر رہے تھے،

وادی سیراب کے قمر نیلگوں سے ایک دوسرا چاند چمکا، یہ

مملکتِ حُسن کی خاموش ملکہ تھی اور کائنات فلکی کی طرح، ساکت،
صرف ایک خیال میں محو تھی، اس کی منتظر آنکھیں۔ محبت کے شاداب پودے کو
نشو ونما کر رہی تھی، اور ایک سرد آہ جس کے ذرات فضا خلوص میں منتشر ہوتے
تھے، کبھی کبھی نظر آجاتی تھی اس کی شرگیں آنکھوں کے ڈبڈباتے ہوئے آنسو،
ایک دل خوش کن ملبے پر معصومیت کی نذر چڑھا رہے تھے وہ دنیا کی ہر حرکت
اور انسانی دنیا کے ہر فعل سے بے خبر تھی، اسکے سامنے صرف ایک چیز تھی، اور یہ
وہ تھی حسن کو، قانونِ حیات، شوہر بنا رہا تھا،

مگر حسینہ کی توقعات، شوہریت کے دائرہ میں محدود نہ تھیں ۔۔۔۔ وہ
دلدادہ تھی خلوص کی ۔۔۔۔ وہ متمنی تھی، آبادی محبت میں ۔۔۔۔ اور
متوقع تھی انسانیت کی ۔۔۔۔ وہ منتظر تھی، ایفاءِ عہد کی ۔۔۔۔ وہ عہد جو عہدِ محبت
جذبے کر فنا ہو جائے ۔۔۔۔ وہ عہد جس کا ہر ذرہ محبت سے پیوستہ ہو ۔۔۔۔

اسکو یقین تھا کہ آج آفتاب، اسوقت تک، نہیں ڈوب سکتا۔ جب تک
میری، آنکھیں، جمالِ شوہری سے، سیراب ہو جائیں، مگر آفتاب، روپوش ہو گیا،
اور اب جبکہ، کائنات، رات کی قنات سے بے خبر تھی، اس کی آنکھیں اس مقام پر،
جہاں سے اسکی توقعات پیدا ہوئیں کبھی کبھی ایک گہری نظر سے مطالعہ کرتی
تھیں۔ اس کی آمد کا، جو غافل تھا اس انتظار کی ماہیت سے، مگر اس انتظار
میں کیا تھا، وہ پاک جذبہ، جو نسوانیت کا جوہرِ اعلیٰ ہے۔

بانسری کا نغمہ

جب بانسری کا نغمہ ہوا میں فنا ہو رہا تھا تو سر سبز لمبے واسطے پتوں سے دیکھا کہ کالی ناگن پان کی بیل سے لہراتی ہوئی نکلی۔ ————————

پرستار موسیقی سیاہ ناگن نغمہ پر وجد کر رہی تھی، چاروں طرف دیکھتی تھی مگر اس کی نگاہ منزلِ مقصود سے بہت دور تھی۔ ————————

گڈریے کی بانسری کا نغمہ ہوا میں تیر رہا تھا۔ اس نے کائنات کا تبصرہ کیا اور ہوا کی گود میں دم توڑ دیا۔ ————————

ناگن آگے بڑھی مگر اب جنگل خاموش تھا اس کی آنکھیں اپنے محبوب کو چاروں طرف ڈھونڈھ رہی تھیں۔ مگر سنگدل گڈریا اس سے بے خبر ہو کر کہ اس نے ناگن کے سمندرِ حیات میں کیا تلاطم پیدا کر دیا ایک ٹوٹی سی قبر پر بیٹھا اپنے مویشیوں کا انتظار کر رہا تھا۔

کل کیا ہوگا

ایک بے ہوش ندی کے کنارے —— جس کا
شفاف پانی مچل مچل کر اپنی منزل طے کر رہا تھا —— ایک
سبز درخت کے نیچے —— جس کی ہری بھری پتیاں جھوم
جھوم کر قہقہے لگا رہی تھیں —— دامنِ کوہ کی ایک چٹان
پر —— جس کے سنگریزے چمک چمک کر قدرت کی
نیرنگیاں دکھا رہے تھے ——
شب سیاہ نے اپنی داستان مصیبت شروع کی
چاند سے بچھڑی ہوئی فرمادوں کی صدا پردہ دنیا پر
گونجی —— مگر آہ وہی چمکدار خوشنما تارے جو کل تک
سامانِ زینت تھے اس وقت ٹھٹھے لگاتے ہوئے آگے
بڑھ گئے اور مجھ بدنصیب کی طرح جو اپنے محبوب کی
تلاش میں جنگل کی خاک چھان رہی تھی رات نے
بھی سر ٹیک ٹیک کر اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کیا۔
صبح قریب آرہی تھی اور میرا زخمی دل اس پانی
کی طرح جو آنکھ کے سامنے اچھل رہا تھا تڑپ تڑپ
کر مجھکو دیوانہ کرنے لگا اب ایک درد بھری صدا نکلی

مگر ابھی زبان پر نہ آئی تھی کہ ہوا نے اپنی ہتیلی منہ پر رکھی
اور یہ جگر خراش نالہ ٹھنڈا سانس بنکر واپس ہو گیا۔
آج انسانی دنیا اس درد کے اندازہ سے غافل
ہے، مگر آسمانی کائنات میری حالت پر رو رہی تھی
ــــ شبنم کے قطرے میرے قلب حزیں پر ٹپک رہے تھے
زندگی کا ہر لمحہ فنا ہو رہا تھا اور میں ایک قابل نسوانی
ہستی اس جرم کی متلاشی تھی، جس نے طلاق کا طوق گلے
میں ڈلوا کر زندگی برباد کر دی ــــ وہ کیا تھا؟
کچھ نہ تھا۔ مگر ہاں تھا۔
وہ ۔۔۔ وہ تھا جس کی ذمہ دار میں نہ تھی میری ایک
ہمجنس کا اصرار کہ مجھکو طلاق دے۔
وہ اصرار پورا ہوا۔ اب دونو میاں بیوی
خوش ہیں اور میں! کس کے ظلم کا شکار ہوں؟ شوہر
کے، جس نے مجھکو چھوڑ دیا۔ نہیں

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

میں اپنے ہی ایک بہن کے اصرار پر جو آج پھولوں کی
سیجوں پر بیخبر پڑی سوتی ہے، اس جنگل میں رو رہی ہوں، مگر
کون کہہ سکتا ہے کہ کل کیا ہو گا۔

اپریل ۱۹۲۱ء

بیوہ جوگن

میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی اُن آنکھوں سے، جو تھوڑی دیر پہلے غروب آفتاب کے حسرت انگیز منظر کو غور سے دیکھ رہی تھیں، بزمِ فلک کے سرتاج ماہتاب کی شاہانہ سواری کے مطالعہ میں منہمک تھی، چمکدار تارے پروانوں کی طرح قندیلِ آسمان پر قربان ہو رہے تھے، ناکام پرواز چکور، تھک تھک کر مایوس ہو رہی تھی۔ میں نے دامن کوہ میں ایک چراغ ٹمٹماتا دیکھا، ان قدموں سے جو شوق سے لبریز تھے میں چٹانوں کو روندتی آگے بڑھی، سرسبز درخت ہوا میں جھوم رہے تھے، جن کی خوشبو فضائے آسمانی کو معطر کر رہی تھی مجھے سہارا دیتے رہے پتیوں نے قہقہے لگا کر، شاخوں نے ہاتھوں میں ہاتھ لے کر مجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ جو بھولے بھٹکے مسافروں کا خضرِ راہ تھا، اس وقت جب آفتاب دم توڑ رہا تھا ایک جوگن کے ہاتھوں سے روشن کیا، چشمہ قریب تھا

اور جوگن مٹی اور راکھ کی بھبوت ملے کائنات شب کو غور سے دیکھ رہی تھی، سایہ ماہتاب نے جوگن سے تعارف کیا۔ لٹیں خاک میں اٹی ہوئی تھیں، مرگ چھالا بچھا ہوا تھا، اور یہ انسانی ہستی کسی دھن میں مستغرق کچھ جپ رہی تھی، جس طرح ایک مضراب دریائے موسیقی میں ستار کے پردوں کو پڑپاتی ہوئی تلاطم پیدا کر دیتی ہے، یا ایک کوئل اپنے سریلے نغموں سے کرۂ ہوائی میں پہاڑ کے ٹکڑے اڑاتی ہوئی قیامت برپا کر دیتی ہے، اسی طرح یہ ہڈیوں کا مجسمہ تخیل انسانی کے پرزے اڑاتا ہوا، بجلی کی طرح میرے دل پر گرا، میں قریب پہنچی، جوگن نے ٹھنڈا سانس بھرا، سانس کے ساتھ درد و الام کے پوشیدہ ذرات تھے، جو ناکامی میں ڈوبے ہوئے زندگی کی تمام توقعات پر پانی پھیر رہے تھے،

اس حیرانی اور تعجب سے جس کی کوئی انتہا نہ تھی، میں خاموش آگے بڑھی، تو جوگن نے کہا "کیوں بچہ اس جنگل میں تمہارا کیا کام؟" میں قدموں پر گری اور عرض کیا "مطالعہ کائنات میں مصروف ہوں پہاڑ کی چوٹی پر ڈیرہ ہے، پھرتی پھراتی ادھر آ نکلی، کچھ اپنی کتھا سنائیے" جوگن نے ایک قہقہہ لگایا مگر وہ قہقہہ

جس میں آنسو گرے۔ اور کہا دو سال ہوئے
پیتم چھوٹ گیا، اب دنیا کی ہر چیز زہر لگتی ہے،
میں ہوں، میری بکری ہے۔ میری جھونپڑی ہے
دنیا کا ہر لطف یہاں موجود ہے، ہاں تعلقات
کی مصیبت جو آبادی میں تھی اس سے محفوظ ہوں۔ یہ نہ
سمجھنا کہ یہاں آبادی کے کسی لطف سے محروم ہوں، یہاں
ہر شے موجود ہے بادل جھوم جھوم کر قدرت کے تماشے
ہر وقت دکھاتے ہیں، چشمے مچل مچل کر، ہوا اٹھلا اٹھلا کر
اور پتے جھول جھول کر قدرت کی نیرنگیاں دکھلاتے ہیں،،
میری حیرت ختم ہوگئی، میرا تعجب جاتا رہا، اور
میں نے کہا، "یہ تو ٹھیک ہے مگر منزلِ مقصود پر
پہنچ نا پیتم کا مل جاتا ہے اور منزلِ مقصود پر پہنچنا یہاں ممکن نہیں
یہ آبادی میں ہے جہاں خدا کی لاتعداد مخلوق انسانی صورتوں
میں موجود ہے، پیتم ان ہی کے دل میں ہے اور منزل
مقصود وہیں ہے" جوگن نے غور کیا اور ہنستی ہوئی اٹھی
میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہنے لگی "پیتم کی یاد یہاں
خوب ہوتی ہے، جس کی تلاش میں وہاں عمریں ختم
ہو جاتی ہیں، وہ یہاں ہر وقت آنکھ کے سامنے ہے"
میں نے جوگن کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر کہا "یہ آنکھ کا دھوکا

اور دل کا فریب ہے۔ یہاں کہیں نہیں ہے اور کچھ نہیں ہے، وہاں ہر مخلوق کی رضامندی رضامندی خالق ہے، ہیتم وہاں ہے، ہر شخص میں ہے اور ہر دل میں ہے چل اور ڈھونڈ، تلاش کر اور پا"

ایک معمولی سکوت نے جوگن کے ہونٹ خاموش کر دئے اس نے میرے قدم لئے اور کہنے لگی،

"ہاں! سچ ہے! ما"

دل بدست آر کہ حج اکبر است

اپریل سنہ ۲۳ء

میری آرزو

جمنا کے اس کنارے پر، جہاں دو فانی جسموں کی ہڈیاں، ہڈیوں کی خاک، خاک کے تودے، اینٹ پتھروں سے مزین، گل بوٹوں سے آراستہ، فلسفہ محبت کو حل کر رہے ہیں، جہاں ہوا تعلقات قلبی کا درس دے رہی ہے، جہاں، قمری، خلوص کی صدا دیتی ہے۔ جہاں پتے سچی محبت کی آوازیں لگاتے ہیں، اندھیری رات میں پانی کی آواز سنتی ہوں، ہوا کی تیزی دیکھتی ہوں، پرندوں کی صدا کان میں آتی ہے پھولوں کی خوشبو دماغ میں پہنچتی ہے دیکھتی ہوں اور کچھ نہیں سمجھتی ہوں اور خاک،

لہریں آتی ہیں، ٹکراتی ہیں اور چلاتی جاتی ہیں، پھول کھلتے ہیں، اتراتے، مرجھاتے ہیں، تارے چمکتے ہیں، دمکتے ہیں، اور جھلملا جاتے ہیں۔ دیکھتی ہوں اور روتی ہوں ہنستی ہوں اور چیختی ہوں۔

شاہجہاں بیگم، خوش نصیب تھی، اس کی موت، زندگی سے اچھی، پھول اس کے پاؤں میں لوٹ رہے ہیں اجمنا اسے گود میں لئے کھڑی ہے، اکبرآباد اس پر ناز کر رہا ہے مگر...... آہ

...... میں برہ کی ستائی ہوں، دکھیاری ہوں، ڈھونڈ پھری، گوکل ہردوار، جمنا، گنگا...... مگر...... مگر.. شہنشاہ خلوص کا پتلا تھا، محبت کے پھول اس کے سرہانے مہک رہے ہیں، کیا اچھا وقت اور بہار کا موسم ہے، بیگم، سدھا بہار پھولوں کا گجرا، اپنے ساجن کے گلے میں ڈالتی ہے۔

ہوا نے دعائیں دیں، آناً فاناً یہ خوشبو، دنیا بھر میں مہک گئی، اچھا، بیگم، خوش نصیب

آہ میں، سدا کی روگی، ہمیشہ کی بدنصیب، دل کا کنول، یہاں بھی نہ کھلا، یہ سب مجھکو مصیبت، یہ ہوا مجھکو آفت، یہ سماں یہ عمارت، یہ لوگ، یہ حالت، میرے کلیجہ پر نشتر ہیں۔

میں کیا دیکھوں، کیا سنوں، کچھ نہیں، میں وہاں جاؤں جہاں پدمنی جلتی ہو، بیشک بیشک، پدمنی ہو، حسن کی دیوی وفا کی چیری، اس کی چتا ہو، اس راکھ کو آنکھوں سے ملوں وہاں تڑپوں اور اس میں مل جاؤں،

ختم ۶۱۳

چاندنی رات میں، جب یاسمین باغ کی مخلوق سو چکی تھی، میں بے خبر پھولوں کے سرہانے پہونچی، بلبل کا نغمہ بند ہو چکا تھا، اور ہوا کی موسیقی خاموش تھی، سنسان روشیں سبزہ کی چادر اوڑھ کر ساکت ہو گئی تھیں، باغ کا ہر پھول، اور گھاس کی ہر پتی محوِ خواب تھی،

چاند، منزل سحر میں، گامزن تھا، اور رات، آفتاب کی طرف بھاگ رہی تھی، ندی کا راگ ختم ہو چکا تھا، اور آبشار کی صدائیں بند تھیں، میں نے اپنی خاموش نظروں سے، پھولوں کی نیند، اور باغ کا سکوت دیکھا، سناٹا ہولناک تھا اور منظر دل فریب،

ہوا میرے سامنے سرسراتی، تناور درختوں کے پتے میں نے جھومتے ہوئے دیکھے، ندی کے قہقہے میرے کانوں میں آئے، بلبل کا پیام صبح باغ میں گونجا، پھولوں نے کروٹ لی، اور سبزہ انگڑائیاں لینے لگا،

نسیم کی انگلیاں چنبیلی کی کمر میں گھسیں، گلاب ہنستا ہوا آگے بڑھا، اور باغ کی خموشی میں چہل پہل ہوگئی، ہوا کا نغمہ تیز ہوا، اس کی شرارت نے ترقی ——

گلاب کھل کھلا کر ہنسا، چنبیلی نے اپنا نازک چہرہ سبز پتیوں میں چھپا لیا، میں بے ساختہ چیخ اٹھی،

یاسمین گلاب سے پردہ کرتی ہے"

فروری ۲۸ء

بعد الموت

اگست کے چنچل آسمان نے مئی جون کے مضطرب بخارات کو جو جلتی جھلستی زمین سے برآمد ہو کر کرۂ ہوائی میں جذب ہو رہے تھے فنا کر دیا۔ دنیا کے ہر لمحہ کو سکون و اطمینان سے گذارنے والا کائنات کا ذہن، بادی النظر میں ان کی یاد سے خالی ہے لیکن اس کا سینہ دفتر ہے گوناگوں تاریخ کے اوراق پارینہ کا زندگی موت سے خالی نہیں ہے اور قدرت نظامِ عالم کے قائم کرنے میں فانی اجسام کے اثرات سے پوری مدد لے رہی ہے

قلبِ انسانی ابھی لو کے تھپیڑوں اور زمین کے بخاروں کو بھولا نہ تھا کہ ساون بھادوں کی اندھیری راتیں اگست ستمبر کے بیقرار دن تبدیل ہیئت کر کے سروں پر نمودار ہو رہے ان کی آنکھیں مردہ ایکسرات کی یاد میں آنسو گرا رہی ہیں اور وہ مادی وجود جو کل آنکھوں کو بارِ گراں تھے۔ آج فرحت و انبساط کے ڈیرے ڈال رہے ہیں۔ ہیں اپنی کائنات کو وداع کر کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی قدرت ارضی ہیجانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر زندوں کی نشو و نما میں منہمک ہے لیکن مردہ اشیا کے وجود و بقا، حیات میں خاموشی کے ساتھ نظام کا ہاتھ بٹا رہے ہیں

ستمبر کی موسلا دھار بارش نے بیمار درختوں میں نئی روح پھونک دی کہ تنک شاخیں سبز اور لاجونتی زیور سے لد گئیں، خاموش پودے پھولوں سے مہک نے لگے ہوا نے ہر چہار سمت خوشبو کے نقارے بجا دیے۔ تاآنکہ بلبل نے باغ اور بادِ سحری نے مرغزار سر پر اٹھا لیا جنگل ہرے بھرے درختوں سے پٹ گیا اور چمن آتشِ گل سے دہکنے لگا۔ مگر وسط مارچ کی ہوا نے جو خزاں کے پہاڑوں سے بلند ہوئی عروس بہار کو رنڈ سالہ پہنا یا، لدے پھندے درخت ٹھنڈ ہو گئے اور خوشرنگ پھولوں کی پتیاں کیاریوں کی آغوش میں مرجھا مرجھا کر خاک ہوئیں۔

آج اجڑے ہوئے چمن میں بہار کی یادگار ایک پھول ہوا کی گود میں جھول رہا ہے درختوں کی طرا دستار خصت ہوئی پیپل کے درخت میں دو خاموش پتے ہوا کے جھونکوں کا انتظار کر رہے ہیں پُر لطف سماں نذر خزاں ہوا لاتعداد پتے پک پک کر اور بیشمار پھول کھل کھل کر فنا ہو گئے دنیا کی چشم ظاہری ان کو فراموش کر چکی۔ مگر قدرت مردہ آغوش میں زندوں کی پرورش کر رہی ہے اور یہ خاکی اجسام نظام عالم کے برقرار رکھنے میں مددگار ہیں۔ پھول مرجھا چکے مگر ان کی یادگار ان کے بیج موجود ہیں، درخت لٹ چکے

لیکن ان کے پیوند دور دراز مقامات پر تر و تازہ ہیں اور یہ آخری پتہ جس کو ہوا نے اُڑا اُڑا کر زمین پر پہنچا دیا کوڑا اور کھاد بنکر اپنے جیسے سینکڑوں پتے پیدا کرے گا۔

اکتوبر اور نومبر کے مہینہ میں جب سردی شروع ہوتی ہے۔ لُو کے تھپیڑے ختم اور گرمی کی شدّت رخصت ہو جاتی ہے تو آسمان پر ان پرندوں کی قطاریں نمودار ہوتی ہے جو موسم گرما بسر کرنے کو پہاڑوں پر چلے گئے تھے ان کا قافلہ سالار یا رہنما نہیں ہوتا ان کا رُخ اسی تالاب جھیل یا دریا کی طرف ہوتا ہے جہاں سے گئے تھے نومبر کی طویل راتیں کسی نامعلوم پانی میں بسر کرتے ہیں اور اجنبی کھیتوں کی پیداوار سے پیٹ بھرتے منزل مقصود پر پہونچتے ہیں۔ آخر نومبر میں انکے پرے کے پرے اپنے اپنے کناروں پر پہونچ جاتے ہیں آس پاس کے کھیت ان کی مہمان نوازی میں مصروف ہوتے ہیں اور خوشگوار موسم ان کو دنیا و مافیہا سے بیخبر کر دیتا ہے
دسمبر کی کسی صبح کو جب ایک بندوق کی آواز کے ساتھ ایک بشاش شکاری کنار دریا پر ہاتھ میں قاز لئے نظر آتا ہے تو کنارے سے کچھ دور آگے مٹی کے ٹیلہ پر جس کے چاروں طرف پانی ہوتا ہے ایک نر یا مادہ کی گردن بھی

دکھائی دیتی ہے جس کی حفاظت میں دو تین انڈے ہوتے ہیں
قاز کی زندگی پوری ہو گئی مگر قدرت نے اپنا کام اس
سے لے لیا۔

سال بھر کی دولہن ختم ہوئی عزیز اقارب رو رہے ہیں
مگر زندگی کی دایہ اس بچہ کو آغوش میں لئے ہنس رہی ہے
اور رونے والوں سے پوچھتی ہے کہ یہ تین مہینے کی جان
دنیا کی مسرتوں میں کس قدر اضافہ کرے گا اور آرام میں کتنی ترقی؟
کبھی غور کر اس پر بھی اے انسان! کہ تیری موت
زندگی کے واسطے کچھ چھوڑے گی!
اور وہ کیا ہوگا؟

جنوری سنہ ۲۷ء

وہ ایک عجیب لمحہ تھا جب کائنات کی ہر شئے قطعاً خاموش تھی، کفن کے خوبصورت پھول جو زندگی کے فانی تعلقات کو ختم کر چکے تھے، اپنی خوشبو سے فضاء آسمانی کو معطر کرنے لگے۔ عزیزوں کا نالہ سکون سے بدلا، شیدائیوں کا شیون خاموش ہوا اور فنا کا مجسمہ ہر آنکھ کے سامنے آگیا۔

اس خاموش لمحہ میں، ہوا کی موسیقی بند ہوگئی پتوں کی رفتار رک گئی اور پرندوں کا نغمہ تھما —— ایک متفقہ آواز گونجی، آنسوؤں کے چند قطرے بعض رخساروں نے اپنی گود میں لئے نیلگوں آسمان نے آفتاب کا جنازہ شفق کی آغوش میں رکھا، اور موت کی خطرناک تصویر ہر سمت نظر آنے لگی۔

خاموش لمحہ میں جو سناٹا چھایا ہوا تھا، چرواہے کی بانسری نے اس کو توڑا، شام کی سیاہی قبرستان کے رہنے والوں کو لوریاں دینے لگی، ماتمی باجہ

شروع ہوگیا۔ اور ایک عزیز کی آخری خدمت کیواسطے
بہتیرے ہاتھ آگے بڑھے، خدا کی الفاظ جنگل نے لپیٹے
آغوش میں لئے"

اب وہ وقت آیا کہ وہ شخص جو آجتک زندہ تھا،
اس کے واسطے زندگی کا ہر قانون بے کار ہو جائے۔

کچھہ الفاظ کے ساتھہ، جو بآواز بلند پڑھے گئے،
ایک جسم قبر میں اتار دیا گیا۔ خاموشی کا لمحہ ابھی چھایا ہوا تھا
کہ رونے والوں کے قہقہہ نے فلسفۂ موت کو حل کر دیا۔

فروری ۲۶ء

پرستاران مغرب! سات سمندر پار کے بیل
بوٹے دیکھ چکے، پردیسی پھولوں کی بہار خوب لوٹی،
غیر زمین کے پرندوں کا نغمہ سن لیا۔ اب ادھر رُخ
کرو یہاں کیچڑ میں موتی اور گدڑی میں لال ملیں گے،
متجسس نگاہ کی ضرورت اور تلاش کی دیر ہے،
انصاف کی کسوٹی پر پرکھنا، حقیقت کے کانٹے میں تولو گے
تو یہ جواہرات باون تولے پاؤ رتی کے نکلیں گے،
مغربی نغمہ کی گونج ابھی تمہارے کان میں موجود ہو گی کہ
"مر گیا سو گیا"
مشرقی بیوی کا کہرام دیکھو، شوہر کی موت اس
سے کیا کیا لے گئی، نازک ہاتھ سونٹا سے رہ گئے،
ان کی چوڑیاں کہاں گئیں؟ رنگین کپڑا ختم ہوا،
سرمہ کاجل کدھر گیا،
"یہ سب صرف ایکدم سے تھا"
اس کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ، اس کا دل رو رہا
ہے، اس کو خاموش نہ سمجھو، اس کے کلیجہ میں

آگ لگ رہی ہے، یہ عورت نہیں ہے اسکی نسوانیت ختم ہو گی؟ یہ بیوی نہیں ہے، اس کی قسمت بگڑ گئی، یہ جب دلہن تھی، سہاگن تھی، سب کچھ تھی، آج رانڈ ہے بیوہ ہے، کچھ نہیں ہے،

یہ مفلس نہیں ہے ——— دولت اس کے پاس، عزیز اس کے ساتھ، بیٹے بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں، یہ دنیا کی بہت سی نعمتوں کی مالک اور بڑے گھر پر حکومت کر رہی ہے، مگر چمنستان زندگی کا وہ پھول جو اس کا دل اور دماغ معطر کرتا تھا مرجھا گیا، اور وہ آنکھیں جو جمال محبوب سے سیراب تھا اور وہ دل جو محبت کی دولت سے مالا مال تھا، آج اس میں آنسوؤں کے قطار اور داغوں کی بہار ہے۔

یہ وہی آنکھیں ہیں، جن میں کاجل ہوتا تھا، یہ وہی دل ہے جس میں محبت رہتی تھی، اس وقت قصر حیات کے دو ستون اجڑ گئے، آنکھیں ناکامی کی تسبیح پڑھتی ہیں اور دل ہائے ہائے کے نعرے لگاتا ہے۔

زندگی کی بڑی سے بڑی خوشی، دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت، اس کا مرجھایا ہوا کنول اچھا نہیں

کہلا سکتی، یہ اس خوشی میں بھی جو کبھی اس کا ارمان تھا جلتی ہوئی شریک ہوتی ہے اس کی زبان اظہار مسرت بھی کرتی ہے، مگر اسکا دل روتا ہے، اور بچھڑنے والے کی یاد رہ رہ کر اور تھم تھم کر اس کا کلیجہ مسلتی ہے،

جب مامائیں کھانا پکا چکتی ہیں، بچے کھانا کھا چکتے ہیں اور گھر کی دنیا اپنی ضرورتوں میں مصروف ہو جاتی ہے تو یہ آنسو بھری آنکھوں سے باورچی خانہ میں جاتی ہے، اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھتی ہے، روٹی پکاتی ہے اور ایک آدمی کا کھانا تیار کر کے خاموش صحن میں اٹھتی ہے کہ اس کے کانوں میں یہ آواز گونجتی ہے۔

"مسجد کے طالب علم کی روٹی دیجئے"

یہ چونک پڑتی ہے آسمان کی طرف دیکھ کر گڑگڑاتی ہے اور کہتی ہے۔

"اس کا ثواب ان کی روح کو"

یہ کہہ کر کھانا دیتی ہے اور اوائلی ضرور کی ایک خوشی اور خوشی کی ایک جھلک چہرہ پر نمودار ہوتی ہے، یہانتک کہ آفتاب غروب

ہوتا ہے اور رات کا سایہ سر پر چھا جاتا ہے، جس وقت دنیا نرم گرم بچھونوں پر لیٹتی ہے یہ اپنے عقائد کے موافق کچھ پڑھتی ہے اور شوہر کو پہنچاتی ہے اور اس وقت اس کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو دن بھر میسر نہیں ہوتی۔

تمت